شیخ علی حزیںؔ کی شاعری

مسرور احمد خاں

شیخ علی حزیںؔ لاہیجی کی شخصیت فارسی ادب میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ فارسی شعروادب کی مکمل تاریخ میں ایک ممتاز اور بلند مرتبہ شاعر رہے ہیں ۔ اگر اسے سو فیصد درست تسلیم نہ بھی جائے تو یہ بلاخوف وتردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے صف اول کے چند ممتاز شاعروں میں سے ایک ہیں۔ وہ رباعی گو، قطعہ گو اور مثنوی نگار کے ساتھ ساتھ حمد، نعت، منقبت اور مناجات نگار بھی تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک انسان کی حیثیت سے بھی وہ ایک بلند اور اعلیٰ خیال کے حامل، اچھے مفکر، ایک اوسط درجے کے فلسفی، ایک اعلیٰ پائے کے دانشور، قومی ہم آہنگی کے علم بردار اور انسان دوست فرد تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ فارسی کے بہت بڑے شاعر رہے ہیں۔ شاعری کی مختلف اصناف کی تنوع کے لحاظ سے بھی حزیںؔ اپنے تمام ہم عصروں میں سب پر بھاری ہیں۔ انھوں نے ایک بڑی تعداد میں غزلیں کہی ہیں ۔قصیدے بھی بڑے اچھے لکھے اور مرثیہ نگاری میں بھی زور قلم صرف کیا۔ رباعیات اور قطعات کے علاوہ مثنوی نگاری میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی اور حمد، نعت، منقبت اور مناجات بھی بڑے عقیدت مندانہ انداز میں لکھی ۔ یہ سب اپنی جگہ مگر ان کی عظمت وبلندی کے قصر شاعری کی بنیاد جس صنف پر قائم ہوئی وہ ہے غزل گوئی۔ انھوں نے ایک بڑی تعداد میں اور اچھی غزلیں کہی ہیں ۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ حزیںؔ کے چار دیوان اشاعت کی منزلوں سے گزر چکے ہیں ۔ جو تقریباً تیس ہزار ابیات پر مشتمل ہیں۔ حزیںؔ خود فرماتے ہیں۔

سی ہزار است در چہار کتاب　　　　نظم کلک بدایع آثاری

(دیوان حزیںؔ ص ۵۹۴)

چنانچہ ایک اور دیوان (جو حزیں کا پانچواں دیوان ہوگا) کا ذکر ملتا ہے ۔ جو ۱۲۹۳ھ میں کانپور سے طبع ہوا۔ اس سلسلے میں خان آرزو کا خیال ہے کہ ''دیوان حاضر انتخابی است'' اور صاحب نادر نامہ کا بیان ہے کہ ''بنابر گفتہ خود او چہار دیوانش در ھند بچاپ رسید''[1] لہٰذا مذکورہ بالا نکات سے اس

۱۔ دیوان حزیںؔ از انتشارات کتاب فروشی خیام ایران۔ ص ۱۷،

امر کا اظہار ہوجاتا ہے کہ کم از کم چار دیوان اشاعت کے مرحلے تک پہنچ چکے ہیں۔

بہرحال حزیں نہایت قادر الکلام اور پر گو شاعر تھے انھوں نے جومثنوی اور ہمہ گیر سرمایۂ فن اپنی یادگار چھوڑا ہے اس میں عموماً ہر صنف سے متعلق کلام موجود ہے۔ اصناف کی اس وسعت، تنوع اور ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ مقدار کلام کے اعتبار سے بھی نہ صرف اپنے عہد کے شاعروں میں، بلکہ فارسی زبان وادب کی تاریخ میں عموماً تمام معروف سخنوروں کی طرح حزیں کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ مثلاً عہد سامانیہ کے رودکی، عہد غزنویہ کے فردوسی، عہد سلجوقیہ کے عطار، عہد ایلخانی کے مولانا روم عہد تیموریہ کے جامی اور عہد ہندیہ کے امیر خسرو اور صائب اصفہانی کے بعد حزیں کو، فیضی، عرفی، طالب آملی وغیرہ کا ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے کلام میں زندگی کے مشاہدے کی مختلف کیفیتوں کی جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ کلام حزیں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ہر مزاج اور مختلف مذاق سخن کے قاری کو اپنی پسند کی چند چیزیں ضرور مل جائیں گی۔ یہی ان کا امتیاز ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ان کے یہاں سادگی، سلاست اور روانی نے مل کر غضب کی اثر وتاثیر پیدا کردی ہے۔ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی حزیں کی شاعری کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فصاحت وبلاغت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور غالب کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حافظ کی مستی، سعدی کا درد، فغانی کی ادابندی، جامی کی کیفیت یہ جملہ اوصاف تم ان کے کلام میں عیاں دیکھو گے۔'' [۲]

یہ الگ بات ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے حزیں کو شعرالعجم میں شامل نہیں کیا مگر حبیب الرحمٰن خاں شروانی کہتے ہیں کہ کاش حزیں کا یہ شعر شبلی تک پہنچ جاتا۔

کیفیت صہباست بجام سخن من　　　اے بادہ گساران برسانید دماغے　　　(دیوان حزیں ص۴۸۶)

یہی نہیں وہ ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ ''اگر قاآنی کا کوکبۂ کمال بلند نہ ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ فارسی شاعری کا خاتمہ حزیں پر ہوگا۔'' [۳] منظر امام کا خیال بھی ہے۔ کہ ''حقیقت یہ ہے کہ حزیں فارسی شاعری کے آخری عہد کے خاتم ہیں۔'' [۴]

۲۔ بحوالہ حالات حزیں مع انتخاب کلام نوشتہ حبیب الرحمٰن خان شروانی مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ص ۷ ۳۔۳۶

۳۔ حالات حزیں مع انتخاب کلام: حبیب الرحمٰن خان شروانی ص ۳۹۔۳۵　　۴۔ چکیدہ تاریخ ادبیات ایران جلد دوم ص ۲۱۹،

حزیں کی مقبولیت، بلندی اور برتری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غالب نے جن پانچ استادشعرا کا اثر قبول کرنے کا اعتراف کیا ہے ان میں حزیں سرفہرست ہیں۔ [۵]

حزیں یقیناً ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ انھیں اپنی طرز فکر اور تخیل پردازی کی برتری اور بلندی کا خود بھی احساس تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ دنیا میں انھیں جو عظمت، بلندی اور برتری نصیب ہوئی ہے وہ اپنی جولانی طبع، طرز فکر، شاعری اور قلم کے زور سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ اپنے خامۂ تیرہ بخت کے احسانمند ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ہر چند سکہ فکرم اختربارست
بر دوش زبان سخنوری سربارست
از خامۂ تیرہ بختِ خود ممنونم
این ابر سیاھی ست کہ گوہربارست

(دیوان حزیں ص ۵۰۱)

اپنی شاعری کی بلندی اور قلم کی جادونگاری کا اظہار اس انداز میں ایک جگہ یوں کرتے ہیں۔

بیند سواد کلک تو رضوان اگر حزیں
ہر نقطہ خال کنج لب حوری کند (دیوان حزیں ص ۳۱۶)

اس سلسلے کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔ حزیں لکھتے ہیں۔

چو شمع از جانگدازی میکنم محفل فروزیھا
حزیں تامن نمی سوزم نمی سوزد چراغ من

(ایضا ص ۴۴۰)

حزیں کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شخصیت بے حد متنازعہ فیہ رہی ہے۔ ان کی شخصیت اپنے عہد میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بھی بنی۔ مگر ہدف تنقید بننا نہ صرف زوال بلکہ عروج کی نشانی بھی مانی جاتی ہے۔ ان کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں خان آرزو جیسے قادر الکلام شاعر تھے اور حزیں کے خلاف متعدد رسالے اور کتابیں تصنیف کی گئیں۔

حزیں کی شاعری کے سلسلے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی غزلوں کے موضوعات

۵۔ حالات حزیں ص ۳۶

عشق ومحبت، وصل وفراق۔ تصوف، بے ثباتی دنیا، پندونصائح ، قناعت وفقر، بلند ہمتی اور ہند کی ہجو وغیرہ ہیں۔[۶] اس کے علاوہ انھوں نے عشق ومحبت اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مرحلوں پر فلسفے بھی پیش کئے ہیں اور عشق ومحبت کی مختلف واردات وکیفیات کی عکاسی بھی کی ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کی تصویریں بھی کھینچی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے عشق مجازی کیا ہو یا نہیں مگر وصل کی تمنا کا بیان بھی ان کے یہاں ملتا ہے۔ انتظار کی لذت کے چٹخارے بھی موجود ہیں۔ رقیبوں سے متعلق رشک وحسد پر بھی اظہار خیال ملتا ہے۔ عشق حقیقی سے متعلق بھی زور قلم صرف کیا گیا ہے۔
ان کی صوفیانہ شاعری بھی اعلیٰ پائے کی ہے۔ صفوی عہد کے زوال کے دور کا شاعر ہونے کی وجہ سے آبائی وطن کے چھوٹ جانے کا غم در در کی ٹھوکریں کھانے کی تکلیفیں والدین اور دیگر اعزا کے انتقال کا کرب ان کی شاعری میں دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے ۔ ان کا دل بے حد درد مند ہوگیا تھا جس سے انکی شاعری میں ایک خاص قسم کا سوز گداز پیدا ہوگیا تھا۔ صفوی دور سلطنت اور خاندان عالیہ صفویہ کا خاتمہ اور ایران میں قتل وغارت گری انھوں نے بذات خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا او اس سے متاثر بھی ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کی شاعری کا رجحان صوفیانہ شاعری کی طرف ہوگیا تھا۔ اس لحاظ سے ان کا کلام اپنے عہد اور سماج کا آئینہ دار بھی ہے۔ دیوان حزیں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصوف کی اس انتہائی منزلوں پر پہنچ چکے تھے جہاں سے عاشق صادق کو ہر شے میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حزیں کوئی بہت بڑے صوفی نہیں تھے مگر ان کی شاعری صوفیانہ شاعری کی اعلیٰ منزل تک پہنچ چکی ہے۔ ان کے کلام میں ایرانی نژاد کی برتری اور ہند سے نفرت کے اظہار کے باوجود ایسے کلام بھی ملتے ہیں جن میں کعبہ وکلیسہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ بات صوفیانہ شاعری کی اعلیٰ منزلوں تک رسائی کے بعد ہی ممکن معلوم ہوتی ہے۔

خواہ از لب مسیحا خواہ از زبان ناقوس
صاحبدلان شناسند آواز آشنا را

(دیوان حزیں ص ۲۰۴)

یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صبرو قناعت پر بھی اچھے اشعار ملتے ہیں دیوان حزیں میں اس طرح کے بہت سے اشعار موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ بہار یہ مضامین بھی انہوں نے پیش کیے ہیں۔

۶۔ شیخ علی حزیں لائف اینڈ ورکس اختر ص ۲۵۵

شکستہ دل اور حرماں نصیب ومایوس لوگوں کے لئے جرأت مندانہ اقدام کے لیے انھوں نے حوصلے بھی بڑھائے ہیں۔ انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی پیش کیا ہے۔ اپنے کلام کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس کلام کو بے کار محض نہ سمجھا جائے۔ انھوں نے اپنے عزیز مادر وطن کی یاد میں تڑپتے ہوئے دل کی کہانی کو اشعار کے سانچے میں ڈھال کر اسے تاریخی حیثیت عطا کردی ہے۔ اور ان کے اس حرماں نصیب و مایوس دل کو جس ملک میں سہارا ملا بعض اوقات اس کی برائیاں بھی واضح طور پر ظاہر کرتے چلتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسلاف استاد الشعرا کی زمینوں میں غزلیں بھی کہیں ہیں اور ان کے مضامین وموضوعات سے استفادہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے بعض اوقات اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اپنے عہد کے پرآشوب سیاسی حالات سے متاثر بھی ہوئے ہیں صوفیانہ اور عارفانہ کلام کہنے کے ساتھ ساتھ کٹر ملائیت اور مذہبی ٹھیکیداروں پر بعض اوقات طنز کے وار بھی کیے ہیں۔ دردوغم کے بیان کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ رنگینی وپرکاری بھی کی ہے۔ معنی آفرینی اور خیال بندی سے بھی کام لیا گیا ہے بیان کی لطافت بھی موجود ہے فصاحت وبلاغت نے بھی کلام میں زور پیدا کیا ہے فنی محاسن سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مگر ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ان کا جاندار اسلوب ہے۔ ان کا انداز نہایت نرم، دھیما، سلیس اور سادہ ہے۔ الفاظ عام فہم استعمال کیے گئے ہیں۔ ان سب نے مل کر ان کے بیان میں ایک خاص قسم کی چاشنی پیدا کردی ہے۔ ایک اور اہم اور بڑی بات یہ کہ ان کی شاعری میں بڑی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔ انہوں نے عموماً زندگی کے تمام پہلوؤں پر غوروفکر کیا ہے۔ اپنی شاعری کے لئے انھوں نے چراغ سے چراغ جلانے کی روایت کی طرح اساتذہ کے کلام سے استفادہ تو کیا ہی ہے مگر اس میں جدت طرازی بھی کی ہے۔ نئی نئی ترکیبیں اور تشبیہات واستعارات بھی خلق کیے ہیں۔ ان کے کلام کے مطالعے سے اس طرح کی مثالیں بہ آسانی مل جاتی ہیں۔ حزیںؔ اگر چہ خود ایک بڑے شاعر تھے مگر انہوں نے بعض غزلیں سعدیؔ حافظ اور دیگر اسلاف شاعروں کی زمینوں میں بھی کہی ہیں اور اثر قبول کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ این غزل جواب آن غزل است'' مثلاً

می برد نغمۂ حافظ دلم از ہوش حزین — این قدر نشہ نبخشد می شیراز مرا
این جواب غزل دلکش سعدی ست حزین — کہ نی خامۂ آتش نفسم را دم از اوست

(دیوان حزین ص۔ ۲۷۳)

تازہ کردی روش حافظِ شیراز حزیںؔ ''کہ زانفاس خوشش بوی کسی می آید''
(دیوان حزین ایضا ص ۳۰۸)

جامیؔ سے استفادہ کا اعتراف حزیں نے اسطرح کیا ہے۔

این می حزیںؔ افاضہء مینای جامیؔ است ''برکف گرفتہ جام مصفا برون رویم۔''
(دیوان حزین ص ۳۹۴)

ذیل کے شعر میں مولانا رومؔ سے استفادے کا اقرار ملاحظہ ہو۔

مطرب ز نوای عارف رومؔ این پردہ بزن کہ یار دیدیم
(دیوان حزین ص۔ ۴۰۱)

حزیںؔ از عارف رومی صلای عشرتی در دہ کہ ساقی ہر چہ دریابد تمام آوردہ مستان را

سب سے زیادہ اثر حافظؔ کا معلوم ہوتا ہے۔ ایک جگہ اور حافظ کا اثر ملاحظہ ہو۔

شدم از دست حزیں دوش کہ حافظ می گفت ''مژدۂ وصل تو کو کز سرجان بر خیزم''
(دیوان ص۔ ۴۱۵)

دلم از نغمۂ حافظؔ بہ سماع است حزیںؔ ''در نہانخانۂ عشرت صنمی خوش دارم''
(دیوان ص ۴۲۸)

بشنو حدیث حافظ شیریں سخن حزیںؔ ''دور فلک درنگ ندارد شتاب کن''
(دیوان ص ۴۳۲)

حزیںؔ کے یہاں اعلیٰ پائے کا عارفانہ کلام ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معبود حقیقی کے عشق حقیقی سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ اپنے عارفانہ کلام کے توسط سے وہ اہل دنیا کو عرفان کی باتیں بھی بتاتے ہیں اور یہ تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی کی کامیابی وکامرانی کا دارومدار کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کائنات کی ہر شے سے محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آرہا ہے۔ مخلوق خدا کے ساتھ سخت اور برہم سلوک کبھی روانہیں۔ انسان کو ہمیشہ انکساری سے زندگی گزارنا چاہیئے۔

زبان تیغ بہ نرمی نمی شود کوتاہ ملایمت بہ حریفان بے حیا عبث است
(دیوان حزیں ص ۲۸۵)

بد از رفاقت نیکاں نکونخواہد شد　　　سَموم را سر ہمراہی صبا عبث است

(دیوان حزیں ص ۲۸۵)

زندگی کے تجربات نے مل کر حزیں کو اس امر کا احساس دلادیا تھا کہ اس دنیا میں حق گوئی بڑی مشکل شئے ہے۔

دیری است کہ منصور پریدہ ست ازین شاخ　　　ہم بانگ اَنَا الحق زدن از دار بلند است

(دیوان ص ۲۸۶)

مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں۔

غوطہ در خون خود از فرق زند تابقدم　　　بہ شہید تو نزیبد کفنی بہتر ازاین

(دیوان ص ۴۳۵)

تجلی زار می بینم سر خاک شہیدان را　　　مگر شمعی بطوف مشہد پروانہ می آید

(دیوان ص ۴۳۴)

در جہان چند بہ آئینہ سکندر نازد　　　چہ تماشاست کہ از پردہ دل آید بیرون

(دیوان ص ۴۲۳)

ان کا خیال ہے کہ دنیا میں کڑی محنت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں

بی رنج نشد حاصل نہ کفر نہ ایمانم　　　از بتکدہ تا کعبہ ہر جا ادبی دارد

(دیوان ص ۲۹۷)

حزیںؔ کا عہد سترہویں صدی عیسوی کا دور تھا جس میں صفوی سلطنت پر زوال کے بادل منڈلا رہے تھے۔ یوں تو عموماً تمام ایرانیوں کے لئے خصوصی طور پر حزیںؔ کے لیے یہ اندوہناک عہد تھا۔ وہاں سیاسی اتھل پتھل مچی ہوئی تھی۔قتل وغارت گری کا دور تھا۔لوگ پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ جان بچانے کے لیے ہجرت کرنے کا سلسلہ جاری تھا اور کوئی کسی کا پُرسان حال نہ تھا۔ بڑے چھوٹے عزت دار اور حقیر، برتر اور کمتر کوئی کسی کی خیراندیشی نہ کرتا تھا۔نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ایسے عہد میں بعض دوسرے شاعروں اور ادیبوں کی طرح حزین کا حساس دل بھی متاثر ہوتا رہا۔ انکی شاعری میں بھی اس عہد کی اس سیاسی حالت کا پس منظر دکھائی دیتا ہے۔عہد صفویہ کے زوال کے زمانے میں جب انھیں کسی سہارے نے یاد نہ کیا تھا وہ بے بس ایران سے ہندوستان کی خاک چھانتے پھرتے

تھے اس کی جھلک ذیل کی رباعی میں ملاحظہ ہو۔

عہدیست کہ آشنا وبیگانہ یکیست — زرخ خزف و گوہر یکدانہ یکیست
درگوش گران خفتگان شب جہل — آیات کتاب حق و افسانہ یکیست

(دیوان حزیں۔ رباعیات ص ۵۰۱)

سرمایہ دہر خاک بیزیست کہ ہست — درمزرع حسرت اشک ریزیست کہ ہست
آگاہی و دریافت گرانست کہ نیست — ارزان زمانہ بی تمیزیست کہ ہست

(دیوان حزیں۔ رباعیات ص ۵۰۰)

حزیں نے اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات دیکھ کر ہوا کا رخ پہچان لیا تھا اور خود کو اس کے مناسب حال کرلیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

اوضاع زمانہ لائق دیدن نیست — وضعی خوشتر زچشم پوشیدن نیست
دانی زچہ پاکشیدہ ام در دامان؟ — دنیا تنگ است جای جنبیدن نیست

(دیوان حزیں۔ رباعیات ۵۰۳)

بلاشبہ حزین کے یہاں تصوف کے اچھے اشعار ملتے ہیں۔ اگر چہ وہ صوفی نہ تھے۔

حزیں امید شفاعت زکس بہ حشر مدار — کہ عذر ماھمہ درگردن دل افتادہ دست

(دیوان حزیں۔ ص ۲۶۳)

کلام حزین میں عاجزی او رانکساری کے مضمون پر بھی بکثرت اشعار ملتے ہیں۔ عہد حاضر کے سماجی ار سیاسی حالات کے اثر سے وہ ترک دنیا کا خیال دل میں پیدا کر چکے تھے۔ اگر چہ انھوں نے فقیری اختیار نہیں کی تھی پھر بھی ان کے یہاں عاجزی اور انکساری بروجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ صبر و استغنا سے متعلق اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

تہی دستیم از سود وزیان ماچہ می پرسی — درین بازار قلاشی نہ دین داریم ونی دنیا

(دیوان حزین ص ۲۰۲)

کون ومکان بہ زیر نگین قناعت است — مور مرا بملک سلیمان چہ حاجت است

(دیوان حزیں۔ ص ۲۶۶)

حزیں ایک اچھے اور انسان دوست شخص تھے۔ وہ ہر انسان کی بھلائی کے لئے ہمیشہ نیک خیال

رکھتے تھے۔

خداوندا تسلی کن دل امیدواراں را به الفت آشتی ده آن قرار بیقراران را
(دیوان حزین ص ۲۰۳)

اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر سے متاثر ہونے پر انھوں نے بعض سماجی اور سیاسی حالات پر لطیف طنز بھی کیا ہے۔

خواہم درین گلستاں دستوری صبا را تا گرد سر بگردم آن یار بے وفا را
(دیوان حزین ص ۲۰۴)

اپنے عہد کے بعض حریفوں پر بھی انھوں نے طنز کیا ہے۔ خان آرزوؔ پر طنز کا یہ اشارہ ملاحظہ ہو۔

سخن از من کشیدی شعلہ ور کردی جہانی را چرا انگشت بر لب می زنی آتش بیانی را
(دیوان حزیںؔ۔ ص ۲۰۶)

یہ حقیقت ہے کہ حزیںؔ متنازعہ فیہ شاعر تھے۔ اپنے عہد کے چند ناموروں کے ساتھ ان کی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ایرانی الاصل تھے۔ اور زمانے سے ایرانی ہندوستانیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آرزو وغیرہ سے ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی تھی۔ بعض اوقات انھوں نے ہندوستان اور یہاں کی تہذیب وغیرہ پر بھی طنز کی چوٹ کی ہے۔

سواد ہند خاطرخواہ باشد بی کمالان را نماید خانۂ تاریک روشن چشم، عریان را
(دیوان حزیںؔ۔ ص ۲۰۸)

دیوان حزیںؔ میں اس طرح کے بہت سے اشعار مل جاتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ حزیںؔ کوئی صوفی تو نہیں تھے پھر بھی صوفی منش انسان ضرور تھے۔ مگر ان کے یہاں عشقیہ اشعار مختلف پیرائے میں ملتے ہیں جن مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حزیںؔ نے ضرور کسی نہ کسی محبوب کو اپنے دل میں جگہ دی ہوگی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے عشقیہ اشعار میں عشق حقیقی کا عرفان بھی جھلکتا نظر آتا ہے۔ بہر حال معاملات حسن وعشق سے متعلق چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دریک شب ہجر یار چون شمع کردیم تمام زندگانی
(دیوان حزیں ص ۴۹۵)

بکف تیغ تغافل طرف دامن برمیان بستہ زخون بے گناہاں کوی خود را کربلا کردہ
(دیوان حزین ص ۴۶۰)

تانام شب وصل تو آمد بہ زبانم چو شمع لبم می مکد از ذوق دہن را
(دیوان ص ۲۳۵)

روضۂ خلد خدایا بہ نکوکاراں دہ دولت وصل جزای دل مشتاقان دہ
(دیوان ص ۴۵۷)

اس آخری شعر میں موجود روضۂ خلد کا استعارہ ڈھونڈ تے رہ جایئے۔ شاید حزیں کے علاوہ کہیں دوسری جگہ نہ ملے۔ لہٰذا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ بعض جدتیں بھی کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ حزیںؔ نے ایک صوفی منش انسان ہوتے ہوئے بھی خمریہ شاعری کی ہے۔ اور بڑی اچھی کی ہے۔ کہیں کہیں تو ساقی کی ردیف میں پوری غزلیں موجود ہیں۔ دیوان حزیںؔ میں جو ایران سے چھپی ہے تین غزلیں ''ساقی'' کی ردیف میں موجود ہیں۔

پیانۂ مشرب حریفاں خالیست خم خانۂ چرخ راکہن بادہ منم
(دیوان حزیںؔ ص ۵۲۳)

ز لوح سینہ ستردیم علم و فتوائی را بہ آب میکدہ شستیم لوث تقوی را
(دیوان حزین ص ۲۳۴)

اگرچہ حزیںؔ خود ایک اچھے عالم تھے۔ ان کے آباء واجداد کے سلسلے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے جید عالم تھے مگر انھوں نے اپنی خمریہ رباعیوں میں زاہد وملاؤں پر طنز بھی کئے ہیں۔

ساغر بدہ کہ آید آبی بہ روی کارم از زہد خشک دارم در دل غبار ساقی
(دیوان حزیںؔ۔ ص ۴۶۷)

پیش نظر شعر میں زہد خشک کی ترکیب اس خوبصورتی سے دوسری جگہ شاید ہی مل سکے۔

اوراق زہد و تقویٰ برباد دہ حزین را از خون توبۂ ما بشکن خمار ساقی
(دیوان حزین ص ۴۶۷)

پیش نظر شعر میں اوراق زہد وتقویٰ کا استعار ہ اور خون توبہ کا استعارہ واقعتاً حزیںؔ کی جدت طرازی معلوم ہوتی ہے۔ چند خمریہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

باطن پاک بزرگان ہمہ جا یارت باد بہ خم بادہ سپردیم ترا ای ساقی
(دیوان حزیںؔ ص ۴۶۶

بود میخانہ ہا در چشم شہلای تو ای ساقی　　　ہلال جام می گردد بہ ایمای تو ای ساقی

(دیوان حزین ص ۴۶۶

ز رنگت آتشیں شُد گل ز لعلت ارغوانی مُل　　　نگہ رامی کشد درخون تماشای تو ای ساقی

(دیوان حزیںؔ۔ص۴۶۶)

ان آخری دو اشعار میں شاعری کی تمام تر او صاف کے ساتھ ساتھ قافیہ در قافیہ کالطف بھی اٹھاتے چلئے۔

حزیںؔ اور ان کی شاعری کے مطالعے کا ایک اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ بہت سے علوم سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ انکامطالعہ بڑا وسیع تھا۔ انھوں نے علم صرف ونحو،علم تفسیر،علم ریاضی اورعلم ہیئت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھیں علم طب،علم نجوم،علم رمل، وغیرہ پرمکمل دسترس حاصل تھی۔ ۷؎یوں تو وہ مسلک کے لحاظ سے شیعہ تھے مگر متعصب نہیں تھے۔ انہوں نے مختلف عالموں کی تفاسیر اور فتاوے کا مطالعہ ومشاہدہ کیا۔ حزیںؔ نے دین مسیح سے واقفیت کے لئے اس مذہب کے علماء اور پادریوں سے ملاقاتیں کیں۔ ایک مجوسی خلیفہ آوانوس سے رابطہ قائم کیا۔ اور انجیل کے علاوہ مجوسی عقائد پر مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس کے لئے بیضا میں دستور سے ملاقات کی۔ یہی نہیں یہودیوں سے متعلق حصول علم کے لئے مرشعب سے توریت پڑھی ۔ یزد میں حزیںؔ نے رستم کوہی سے مل کرعلم نجوم ورمل کا مطالعہ کیا۔حزیںؔ نے مذہب صابی سے متعلق بھی علم حاصل کیا۔ ۸؎ان مطالعوں کا اثر یہ ہوا ہے کہ حزیںؔ کے اندرقومی ہم آہنگی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس امر کی جھلک ان کے دیوان میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے ۔ سماجی نقطہ نظر سے بھی بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کے اندرقومی ہم آہنگی کا جذبہ موجود تھا۔

یک نکتہ بود گوشزدِ مخلص و منکر　　　در دیر و حرم عشق بہ یک صوت صلا کرد

(دیوان حزین ص ۳۵۸)

قصیدہ فارسی شاعری کی مقبول صنف ہے ۔ حزیںؔ نے بھی بڑے اچھے اچھے قصیدے لکھے۔ مگر امراوسلاطین کی مدح میں ایک بھی قصیدہ نہیں لکھا ۔ اگرلکھا بھی ہوتو دستیاب نہیں۔ ان کے دیوان میں جوقصیدے موجود ہیں وہ بزرگان دین ، نبیؐ اورآل نبی کی شان مین لکھے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ

۷۔اوراق پریشان ازشیمم اختر ص ۹

۸۔اوراق پریشاں ص ۹ تا۱۱

کی شان میں لکھے قصیدے سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

تا قصہ عشق تو در آمد بہ نوشتن   بی چاک ندیدیم گریبان قلم را (ص ۱۳۸)

نعتیہ قصیدے سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

افلاک شد از عکس گل ولالہ شفق رنگ   مشاطۂ نوروز بیاراست جہان را
ساقی دم عشق است بنازی بہ تغافل   بر آب اساس است جہان گذران را
آن آیت رحمت کہ گل خلق کریمش   از حلم سبک سنگ کند کوہ گران را
رضوان بہ دوصد عزت وتعظیم فرستد   از خاک درش غالیہ خیرات حسان را
خورشید ولای تو بود نور ضمیرم   تاسایہ کند پرچم جاہت ثقلان را

(دیوان حزیں۔ص ۱۲۳)

حزیں نے بڑے پرخلوص جذبے سے مذہبی قصیدے کہے ہیں۔ ان کے قصیدے رسول خدا، حضرت علیؑ امام زمانہ، حضرت امام مہدی آخر الزمان، امام رضا علیہ السلام وغیرہ کی شان میں ہیں۔ ان کے قصیدے روایتی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی جدت پیدا نہیں کی گئی ہے۔ مگر یہ پرخلوص جذبے سے لکھے گئے ہیں۔

دیوان حزیں میں مثنویاں بھی موجود ہیں ۔ ان مثنویوں میں بھی کسی طرح کی جدت طرازی کی جھلک نہیں۔ روایتی انداز میں لکھی یہ مثنویاں اپنی سادگی، سلاست اور روانی سے حزیں کی قادر الکلامی کا بین ثبوت پیش کرتی ہیں۔

حزیں نے مرثیے بھی لکھے ہیں۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر مرثیے کے شاعر نہ تھے پھر بھی ان کے مرثیے پرتاثیر اور سوز وگداز سے لبریز ہیں۔ ان کے دیوان میں چند مرثیے بھی موجود ہیں۔ انھوں نے آل رسولؐ سے عقیدت مندانہ انداز میں یہ مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے مرثیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ حزیں پر لکھنے والوں میں بیشتر حضرات کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے رسولؐ اور آل رسول علیہم السلام سے عقیدت کی بنا پر مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے دیوان میں چھوٹے چھوٹے قطعات کی شکل میں بھی مرثیے موجود ہیں۔ ان کے یہاں شخصی مرثیے موجود نہیں صرف واقعات کربلا اور شہدائے کربلا سے متعلق مرثیے ان کے یہاں ملتے ہیں۔ ترکیب بند کی شکل میں مرثیے کے یہ بند ملاحظہ ہوں۔

طوفان خون زچشم جہان جوش می زند | بر چرخ نخل ماتمیان دوش می زند
یارب شب مصیبتِ آرام سوز کیست | امشب کہ برق آہ رہ ھوش می زند
روشن نشد کہ روز سیاہ عزای کیست | صبحی کہ دم شام سیہ پوش می زند
آیا غمی کہ تنگ کشیدست در کنار | چاک دلم کہ خندۂ آغوش می زند
بیہوش داروی دل غمدیدگان بود | آبی کہ اشک بررخ مدھوش می زند
ساکن نمی شود نفس ناتوان من | زین دشنہ ھا کہ برلب خاموش می زند
گویا بہ یاد تشنہ لب کربلا حسین | طوفان شیونی ز لبم جوش می زند

تنہا نہ من کہ برلب جبریل نوحہ است
گویا عزای شاہ شہیدان کربلاست

شاہی کہ نور دیدۂ خیرالانام بود | ماہی کہ بر سپہر معلی تمام بود
شد روزگار در نظرش تیرہ از غبار | باد مخالف از ھمہ سو بس کہ عام بود
آب از حسین برد و خنجر دھد بہ شمر | انصاف روزگار ندانم کدام بود
آبی کہ خار وخس ہمہ سیراب از آن شدند | آیا چرا بر آل پیمبر حرام بود
خون دیدہ ھا چگونہ نگرید برآن شہید | کزخون بہ پیکرش کفن لعل فام بود
دادی بہ تیر و نیزہ تن پارہ پارہ را | زان رخنہا چو صید مرادش مدام بود
آن خضر اہل بیت بہ صحرای کربلا | نوشید آب تیغ زبس تشنہ کام بود

تفتند زآتش عطش آن لعل ناب را
سنگین دلان مضایقہ کردند آب را

(دیوان حزیں۔ص ۶۱۰)

اس مرثیے میں اس طرح سات بند ہیں۔

حزیں نے بڑی اچھی اور ایک بڑی تعداد میں رباعیاں بھی کہیں ہیں۔ ان کے دیوان میں سیکڑوں اچھی رباعیاں موجود ہیں جن میں زندگی کے تجربات اور محسوسات کو انھوں نے قلم بند کیا ہے۔ رباعی کے فن کے معیار پر بھی اہل قلم حضرات کی نظر میں ان کی رباعیاں اچھی کہی جاتی ہیں۔

ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

یارای زبان کو کہ ثنای تو کنیم　　توصیف کمال کبریای تو کنیم
چیزی بہ بساط ما تہی دستان نیست　　جانی کہ تو دادہ ای فدای تو کنیم

حزیں کی رباعیوں میں ان کی زندگی کے محسوسات اور تجربات کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ذیل کی رباعیوں میں ہندوستان میں پناہ حاصل کرنے کے باوجود ہندوستان اور اس کی تہذیب سے نفرت کا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔

از ہند نجس نجات می خواہم و بس　　غسلی بہ شط فرات می خواہم و بس
مرگی کہ بود بہ کام دل در نجف است　　از بہر ہمین حیات می خواہم و بس

(دیوان حزیں۔ ص ۵۱۰)

حزیں نے متعدد بار ترک ہندوستان کا ارادہ کیا مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ آخر کار حج کے بہانے ہند سے رحلت کا ارادہ کیا۔ مگر کئی بار کوشش اور رخت سفر باندھنے کے باوجود، کسی وجہ سے ہندوستان سے حج کے بہانے یا کسی وجہ سے باہر جا نہ سکے تو اپنے دل کو ایک پر فریب تسکین اس طرح، اس رباعی میں دیتے ہیں۔

از ظلمت ہند سفلہ انگیز مترس　　در تیرگی شب ای سحرخیز مترس
ہرگز باکی ز خصمی ہند مدار　　نامرد نئی ز حملۂ حیز مترس

(دیوان حزیں۔ ص ۵۱۰)

ایک جگہ اور ہند سے بے اطمینانی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

حزیں از کہنہ دیر جسم جان را خیمہ بیرون زن　　چرا چون کعبہ را از کافرستان برنمی آری

الغرض بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عموماً ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور اپنی یادگار میں اچھے نمونے چھوڑے ہیں۔ منظر امام لکھتے ہیں کہ:۔

"انھوں نے (حزیں) نے ہر صنف شاعری میں عمدہ ترین نمونہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔ ان کی نثر میں روانی اور شعر میں سوز و گداز ہے۔ ان کے قصیدے فصیح و بلیغ ہیں۔ انہوں نے مثنویات بھی خوب لکھی ہیں۔ انھوں نے شاعری کی ہر صنف میں وہی طریقہ اپنایا ہے جو شریعت شعر نے متعین کیا ہے لفاظی اور صنعت گری سے مکمل طور پر احتراز کیا گیا ہے۔

شیخ علی حزیں اور ان کی شاعری کا نہایت اہم اور توجہ طلب پہلو ہے ان کا خاص اور

منفرد اسلوب ۔ وہ سادہ سلیس اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہاں غضب کی روانی پائی جاتی ہے۔ سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے۔ فصیح و بلیغ الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ تشبیہ واستعارات سے بھی میناکاری دیکھنے کو ملتی ہے۔ تشبیہ واستعاروں میں تو انہوں نے جدتیں بھی کی ہیں۔ اور یہی جدت طرازی ان کی انفرادی شان ہے۔ ان کے یہاں شاعری کے عموماً تمام فنی محاسن بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں :

"زبان او از غایت صفاآب زلال می ماند وکلام او از نہایت آبدار نسب بسلک لالی میر سانند۔"۹

ان کی سادگی سلاست اور روانی کے اظہار میں ثبوت کے طور پر چند اشعار اور ایک پوری غزل پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

صد بار زگلزار خزان رفت وگل آمد   وین مرغ اسیر از قفس آزاد نکردی
(دیوان حزین ص ۴۷۵)

کسی زبان نتواند بہ راز غیب گشود   جرس بہ قافلۂ اہل دل خموش آمد
(دیوان حزین ص ۳۲۳)

ان کے خاص اسلوب کی یہ غزل ملاحظہ ہو

ای وای بر اسیری کزیاد رفتہ باشد   دردام ماندہ صید و صیاد رفتہ باشد
آہ از دمی کہ تنہا باداغ او چولالہ   در خون نشستۂ او چون باد رفتہ باشد
خونش بہ تیغ حسرت یارب حلال بادا   صیدی کہ از کمندت آزاد رفتہ باشد
از آہ دردناکی سازم خبر دلت را   روزی کہ کوہ صبرم برباد رفتہ باشد
رحمت بر اسیری کز گرد دام زلفت   باصد امیدواری ناشاد رفتہ باشد
آواز تیشہ امشب از بیستون نیامد   گویا بخواب شیرین فرہاد رفتہ باشد
شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی   گومشت خاک ما ھم برباد رفتہ باشد
پرشور از حزین است امروز کوہ و صحرا
مجنون گذشتہ باشد فرہاد رفتہ باشد (دیوان حزین۔ص ۳۳۱)

کلام حزیں کے مطالعے سے ان کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ

۹۔ شیخ علی حزین لائف اینڈ ورکس ۔ص۔ ۳۴۶

چو شمع از جانگدازی میکنم محفل فروزیہا
حزین تامن نمیسوزم نمیسوزد چراغ من

(دیوان حزیںؔ۔ص۴۴۰)

ان کا خیال یہ بھی ہے کہ

حزین از زندگی این بس مرا کز بعد مرگ من
کند خوش اہل معنی را کلام دلپذیرمن۔

(دیوان حزیںؔ۔ص۴۳۹)

درج بالا مباحث کے پیش نظر بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ حزیںؔ یقیناًایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔ اگر فارسی شاعری کی تاریخ ترتیب دی جائے اور اس میں حزیںؔ کو شامل نہ کیاجائے تو وہ تاریخ یقیناً نامکمل ہوگی۔